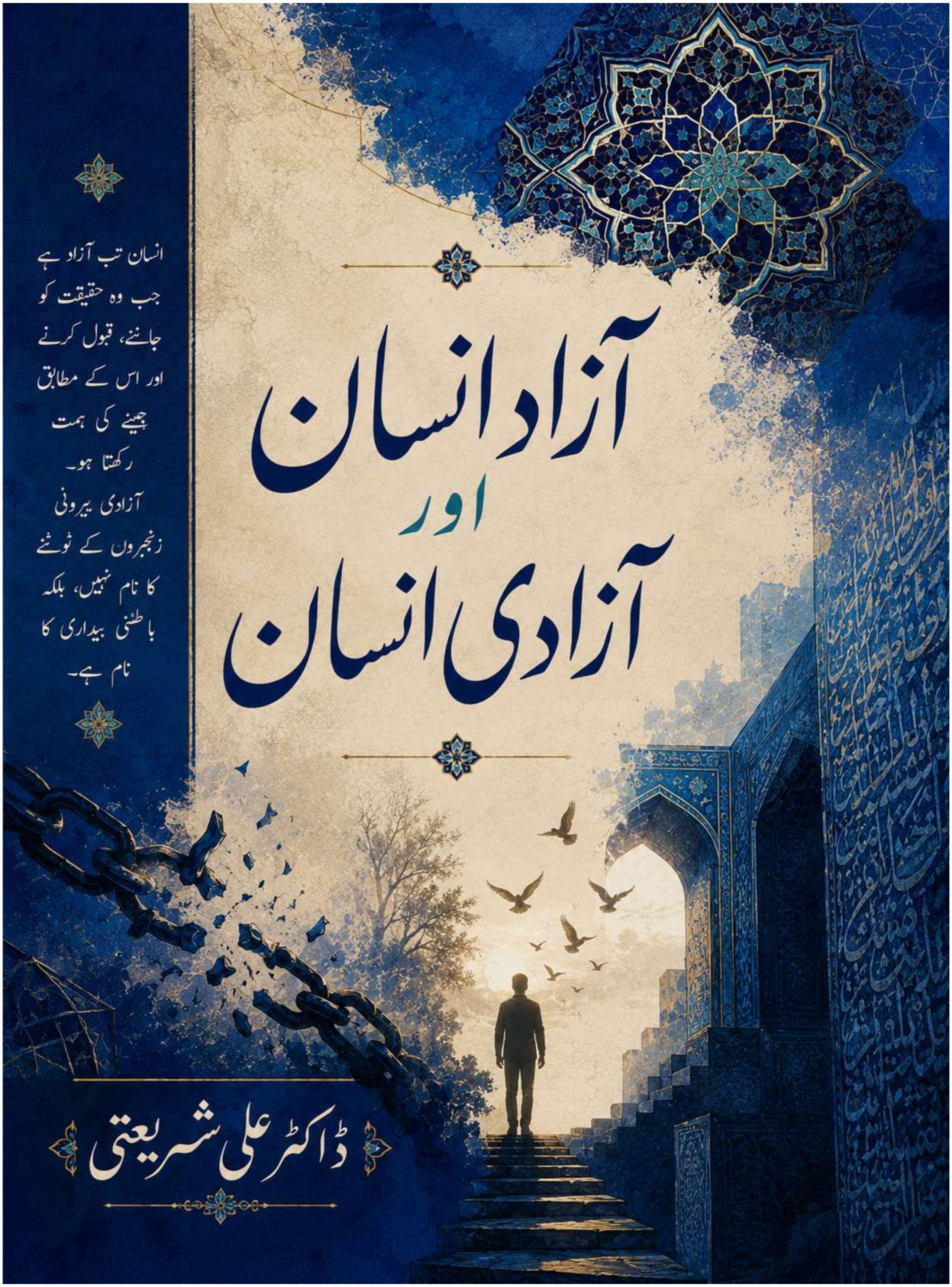

انسان تب آزاد ہے
جب وہ حقیقت کو
جاننے، قبول کرنے
اور اس کے مطابق
جینے کی ہمت
رکھتا ہو۔
آزادی بیرونی
زنجیروں کے ٹوٹنے
کا نام نہیں، بلکہ
باطنی بیداری کا
نام ہے۔
آزاد انسان
اور
آزادی انسان
ڈاکٹر علی شریعتی

انسان اور اسلام"
"آزاد انسان اور آزادیٔانسان"
ڈاکٹر علی شریعتی

خواتین و حضرات: آج رات، جب تک وقت اجازت دے، میں مندرجہ ذیل سوالات کا جائزہ لینا چاہتا ہوں:

کیا اسلام انسان کو ایک بے بس مخلوق تسلیم کرتا ہے جس کا حتمی مقصد اور نصب العین خدا کے سامنے بے اختیار کھڑا ہونا ہے؟

کیا اسلام انسانیت کو ایک فضیلت تسلیم کرتا ہے؟

کیا انسان میں بے بسی، اسلام میں ایمان کی ایک لازمی شرط ہے، یا اس کے برعکس، اسلام پر ایمان انسان کو اصلیت (Originality) اور اس کی خوبیوں کے احترام سے نوازنے کے لیے کافی ہے؟

انسان کا مسئلہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ آج کی تہذیب نے اپنے مذہب کی بنیاد 'انسان دوستی' (Humanism) پر رکھی ہے؛ یعنی انسان کی اصلیت اور انسان کی پرستش۔ یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ ماضی کے مختلف مذاہب نے انسان کی شخصیت کو توڑ پھوڑ دیا، اور اسے اپنے دیوتاؤں کے لیے قربانیاں دینے، اپنی بے بسی کا اعتراف کرنے، اور دعا، مناجات اور گڑگڑانے کے ذریعے ان سے التجا کرنے پر مجبور کیا۔ انسان دوستی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے بعد کا ایک ایسا مذہب ہے جس نے خود کو الہیٰ احکامات اور ان مذاہب کے مقابل کھڑا کیا جو مافوق الفطرت اور غیب پر مبنی تھے، جن کا مقصد انسان کو فضیلت عطا کرنا تھا۔ انسان دوستی کی جڑیں ایتھنز میں پیوست ہیں، اور ایک آفاقی مذہب کے طور پر

یہ آج کی مغربی ثقافت کی بنیاد بن چکی ہے۔ درحقیقت، انسان دوستی قرون وسطیٰ کے اسکولسٹک عقائد اور عیسائیت کے خلاف ایک ردعمل ہے۔

یہ جاننے کے لیے کہ ماضی کے مختلف مذاہب میں انسان کی کیا تعبیر تھی، یا مذاہب میں انسان دوستی کے کردار کو سمجھنے کے لیے، تخلیق کے فلسفے کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ چونکہ میرے پاس انسان کی تخلیق کے فلسفے کے حوالے سے تمام مشرقی اور مغربی مذاہب کا جائزہ لینے کا وقت نہیں ہے، اس لیے میں صرف اسلام (اور ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کے مذاہب، جن کا اسلام ایک تسلسل اور نقطہ عروج ہے) میں انسان کی تخلیق کے فلسفے پر زور دوں گا۔

اسلام انسان کی تخلیق کی کیا تشریح کرتا ہے اور اسے کیسے پہچانتا ہے؟ کیا قرآن یا پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی احادیث میں بیان کردہ اس کی تخلیق کی کیفیت سے انسان کے مقام کا تعین ممکن ہے؟ آدم کی تخلیق کی کیفیت کی تحقیق کر کے، جو قرآن میں انسان کی علامت کے طور پر کھڑا ہے، ہم اس مقام کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو اسے اسلام، اور دیگر مذاہب کی نظر میں حاصل ہے۔

بطور تمہید مجھے یہ کہنا چاہیے کہ مذاہب کی زبان، خاص طور پر سامی مذاہب کی جن کے انبیاء پر ہم ایمان رکھتے ہیں، سب کی سب علامتی (Symbolic) ہے۔ یہ انسان کو میسر بہترین زبان ہے اور یہ وضاحتی زبان سے برتر ہے جو سادہ اور سیدھی ہوتی ہے۔ ایک وضاحتی زبان شاید ہدایات کے لیے زیادہ موزوں اور آسان ہو، لیکن وہ پائیدار نہیں ہوتی۔ کیوں؟ معاصر مصری فلسفی عبد الرحمٰن بدوی بیان کرتے ہیں کہ:

"کوئی مکتب یا مذہب جو اپنے تمام حقائق اور مفاہیم کو براہ راست، واضح اور یک جہتی جملوں میں بیان کرتا ہے، وہ زیادہ دیر تک نہیں چل پاتا، کیونکہ وہ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے متنوع افراد سے مخاطب ہوتا ہے۔ مزید برآں، ان لوگوں میں سوچ، نقطہ نظر اور زاویہ نگاہ کے اعتبار سے مختلف طبقات شامل ہوتے ہیں۔ لہٰذا، مذہب کے لیے منتخب کی جانے والی زبان کثیر الجہتی اور کثیر پرتوں والی ہونی چاہیے تاکہ ہر نسل ایک پرت کو کھول سکے اور ہر گروہ ایک وقت میں ایک جہت کو سمجھ سکے۔"

یہی وجہ ہے کہ تمام ادبی علامتی تخلیقات لازوال ہوتی ہیں۔ حافظ کے اشعار اس لیے ابدی ہیں کہ ہم انہیں جتنا زیادہ پڑھتے ہیں، اپنے ذوق کے مطابق، اتنے ہی نئے

گوشے دریافت کر سکتے ہیں۔ لیکن بیہقی کی تاریخ یا سعدی کی گلستان کے ساتھ ایسا نہیں ہے، ان کے معانی نسبتاً واضح ہیں۔ ہم ان کے بیان سے لطف اندوز تو ہوتے ہیں، لیکن روحانی نقطہ نظر سے ان کے زیادہ تر مضامین فرسودہ ہو چکے ہیں۔ لیکن حافظ کے الفاظ، کثیر الجہتی اور علامتی ہونے کی وجہ سے، ہم میں سے ہر ایک کو، اپنے ذوق اور ذہنیت کے مطابق، ان سے ایک نیا مفہوم اور نیا نقطہ نظر اخذ کرنے کا موقع دیتے ہیں۔ اور چونکہ مذاہب مختلف قسم کے لوگوں اور نسلوں کے لیے لائے گئے تھے، اس لیے یہ ضروری تھا کہ وہ علامتی زبان پر مشتمل ہوں۔ مذاہب میں موجود زیادہ تر معانی ان کے ظہور کے وقت واضح نہیں تھے۔ تاہم، چونکہ ان معانی کو لوگوں پر واضح کرنا ضروری تھا، اس لیے انہیں سادہ زبان میں ہونا تھا تاکہ عوام انہیں سمجھ سکیں۔ دوسری طرف، اگر تصورات اتنے سادہ ہوتے تو ان مذاہب میں کوئی نیا مفہوم نہ ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ زبانیں علامتی تھیں تاکہ آنے والی نسلیں، اپنی ذہنی اور سائنسی بلوغت کے اعتبار سے، نئے معانی اور تصورات دریافت کر سکیں۔ اسی لیے یورپی ادب میں علامت نگاری بہترین اسلوب ہے۔ چنانچہ، آدم کی تخلیق کی کہانی علامتی زبان میں بیان کی گئی تاکہ چودہ صدیاں گزرنے کے بعد اور تمام شعبوں میں سائنسی ترقی کے باوجود، یہ اب بھی مطالعے کے قابل رہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے انسان کی تخلیق

شروع میں پروردگار تمام فرشتوں سے مخاطب ہوتا ہے: "میں زمین پر اپنا نائب (خلیفہ) پیدا کرنا چاہتا ہوں،" (اسلام میں انسان کی قدر و قیمت پر توجہ دیں۔ یہاں تک کہ نشاۃ ثانیہ کے بعد کی یورپی انسان دوستی بھی انسان کو ایسی عالی شان تقدس عطا نہیں کر سکی)۔ خدا، جو ایک باایمان مسلمان کے نقطہ نظر سے سب سے برتر اور عالی شان ہے، اپنے نائب کو متعارف کروانے کے لیے فرشتوں سے مخاطب ہوتا ہے۔ اس طرح، اس الہیٰ خطاب سے زمین پر انسان کا مشن واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی زمین پر انسان کا مشن کائنات میں خدا کے تخلیقی کام کو مکمل کرنا ہے۔ لہذا، انسان کی پہلی برتری یہ ہے کہ وہ زمین پر خدا کی نمائندگی کرتا ہے۔ فرشتوں نے اعتراض کیا، "کیا تو زمین پر ایک ایسی انتقامی اور کینہ پرور مخلوق بنانا چاہتا ہے جو پھر فساد اور خونریزی کرے؟" لیکن خدا نے جواب دیا، "میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔" اور یوں، خدا انسان کی تخلیق میں مصروف ہو گیا۔ اور یہ وہ مقام ہے جہاں وہ علامات، جو گہرے بشریاتی مفاہیم سے لدی

ہوئی ہیں، سامنے آتی ہیں۔ چونکہ خدا زمین پر اپنا نائب پیدا کرنا چاہتا ہے، اس لیے اسے قاعدے کے مطابق، سب سے قیمتی اور مقدس مواد کا انتخاب کرنا چاہیے۔ لیکن وہ بدترین مادہ منتخب کرتا ہے۔ قرآن میں انسان کے مادے کے بارے میں تین حوالے موجود ہیں: کھنکھناتی مٹی سے، جیسے ٹھیکری، اور گارے سے۔ آخرکار، پروردگار نے اپنی روح اس خشک مٹی میں پھونک دی اور انسان وجود میں آ گیا۔

انسانی زبان میں خدا سب سے مقدس اور برتر ہستی ہے، جبکہ مٹی سب سے گھٹیا اور پست چیز کی علامت ہے۔

اور خدا کی روح اس کی ذات کا سب سے مقدس، عالی شان اور عظیم ترین "حصہ" ہے۔ چنانچہ، انسان کی تخلیق میں، خدا نے اپنا "سانس"، "خون" یا "گوشت" استعمال نہیں کیا؛ بلکہ اپنی روح انسان میں پھونکی۔ خدا سب سے برتر ہستی ہے اور اس کی روح وہ بہترین ہستی ہے جس کے لیے انسان اپنی زبان میں کوئی لقب استعمال کر سکتا ہے۔ اس طرح، انسان جو مٹی اور خدا کی روح سے تشکیل پایا ہے، ایک دو جہتی مخلوق ہے۔ دیگر تمام مخلوقات کے برعکس جو یک جہتی ہیں، انسان دو جہتی ہے؛ ایک جہت مٹی، پستی، جمود اور ٹھہراؤ کی طرف مائل ہوتی ہے جبکہ دوسری بلند ترین ممکنہ مقام کی آرزو رکھتی ہے۔ چنانچہ انسان دو تضادات، مٹی اور خدا کی روح، سے مرکب ہے۔ اس لیے انسان کی اہمیت اور عظمت اس حقیقت میں مضمر ہے کہ وہ دو قطب (مٹی اور پروردگار کی روح) رکھتا ہے۔ یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ کہاں جانے کا انتخاب کرے، مٹی کی طرف یا الہیٰ نور کی طرف۔ اور جب تک وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو اپنی قسمت کے طور پر نہیں چن لیتا، اس کے اندر کشمکش جاری رہے گی۔

جب انسان کی تخلیق مکمل ہوئی تو خدا نے اسے نام سکھائے۔ یہ ابھی تک واضح نہیں ہے کہ یہ نام کیا تھے، لیکن ہر مفسر نے کچھ ایسا کہا ہے جس میں کوئی شک نہیں کہ خدا تعلیم و تربیت کی بات کر رہا تھا۔ بہر حال، جب انسان کی تخلیق مکمل ہوئی، تو خدا نے تمام نام سکھا دیے۔ انسان ناموں کا مالک بن گیا۔ اس موقع پر فرشتوں نے احتجاج کیا: "ہم دھواں رہت آگ سے بنے ہیں لیکن انسان مٹی سے بنا ہے۔ اسے ہم پر برتری کیوں ہونی چاہیے؟" جس پر پروردگار نے جواب دیا: "میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ انسان کے سامنے جھک جاؤ۔" تمام درجات کے فرشتوں نے انسان کے سامنے سجدہ کیا۔ یہی وہ چیز ہے جو

'انسان دوستی' (Humanism) ہے۔ کیا آپ دیکھتے ہیں کہ انسان کی عظمت کس حد تک ہے؟ اس کا مقام اتنا بلند ہے کہ فرشتوں نے، اپنی فطری اور نسلی برتری (نور بمقابلہ مٹی) کے باوجود، آدم کو سجدہ کیا۔ تاہم، چونکہ فرشتوں نے احتجاج کیا تھا، پروردگار نے ان کا امتحان لینے کے لیے، ان سے وہ نام سنانے کو کہا لیکن وہ جواب نہ دے سکے۔ اس امتحان میں فرشتے شکست کھا گئے اور آدم کی برتری اور فضیلت قائم ہو گئی۔ برتری ناموں کے علم پر منحصر ہے۔ انسان وہ چیزیں جانتا ہے جو فرشتے نہیں جانتے۔ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ فضیلت نسلی برتری کے بجائے علم اور ذہانت پر منحصر ہے۔

ایک اور مسئلہ عورت کا ہے جس کے بارے میں مانا جاتا ہے کہ وہ آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ فارسی میں عربی لفظ 'ضلع' (پسلی) کے غلط ترجمے کا نتیجہ ہے۔ عربی اور عبرانی میں 'ضلع' کا ایک اضافی مطلب 'فطرت' بھی ہے۔ چنانچہ، "حوا آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی" کے بجائے، اس کا مطلب "حوا آدم کی فطرت سے پیدا ہوئی" بن گیا۔

نطشے جیسا عظیم انسان مانتا تھا کہ مرد اور عورت دو الگ مخلوق ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ ارتقا پذیر ہوئے اور ایک دوسرے سے مشابہ ہو گئے۔ اس لیے انہیں دو الگ الگ نسلیں سمجھا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ وہ فلسفی اور سائنسدان بھی جو یہ مانتے ہیں کہ آدم اور حوا ایک ہی نسل کے ہیں، ہمیشہ عورت کی فطرت کو حقیر سمجھتے رہے ہیں۔ تاہم، قرآن کا موقف یہ ہے کہ مرد اور عورت ایک ہی فطرت کے ہیں۔

قرآن میں انسان کی تخلیق میں ایک اور حیران کن نکتہ یہ ہے کہ خدا تمام مخلوقات—آسمانوں، سمندروں، پودوں، پہاڑوں، جانوروں اور دیگر کو پکارتا ہے اور مطلع کرتا ہے: "میں نے ایک امانت پیش کرنی ہے۔" لیکن انسان کے سوا سب نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان ایک اور فضیلت رکھتا ہے؛ یعنی ایسی امانت کا قبول کرنا جس سے ہر کسی نے انکار کر دیا۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان کائنات میں خدا کا نمائندہ بھی ہے اور اس کا امین بھی۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ 'امانت' کیا ہے، ہر کوئی کچھ نہ کچھ کہتا ہے۔ مولوی (مولانا رومی) کا ماننا ہے کہ یہ ارادہ اور اختیار ہے۔ میں بھی ایسا ہی مانتا ہوں۔

کائنات کی دیگر تمام مخلوقات پر انسان کو صرف ایک برتری حاصل ہے اور وہ اس کا 'ارادہ' (Will) ہے۔ وہ واحد مخلوق ہے جو اپنی فطرت کے خلاف عمل کر سکتی ہے، جبکہ کوئی جانور یا پودا ایسا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ایسا جانور تلاش کرنا ناممکن ہے جو دو دن کا روزہ رکھ سکے۔ اور کسی پودے نے کبھی غم کی وجہ سے خودکشی نہیں کی یا کوئی عظیم خدمت نہیں کی۔ انسان ہی واحد ہے جو اپنی جسمانی، روحانی اور مادی ضروریات کے خلاف بغاوت کرتا ہے، اور بھلائی اور نیکی سے منہ موڑ لیتا ہے۔ مزید برآں، وہ غیر معقول رویہ اختیار کرنے، برا یا اچھا بننے، مٹی جیسا یا خدائی بننے کے لیے آزاد ہے۔ نکتہ یہ ہے کہ "ارادہ" کا ہونا انسان کی سب سے بڑی خصوصیت ہے اور یہ انسان اور خدا کے درمیان رشتہ داری پر روشنی ڈالتا ہے۔

کیا یہ سچ نہیں ہے کہ خدا نے انسان میں اپنی روح پھونکی اور اسے اپنا امین مقرر کیا؟ تو پھر انسان زمین پر خدا کا نائب اور "رشتہ دار" ہے اور دونوں کی روحیں ایک ہی چشمے سے سیراب ہوتی ہیں—ارادہ رکھنے کا چشمہ۔ خدا، کائنات کی واحد ہستی جو مطلق ارادہ رکھتی ہے اور جو چاہے کر سکتی ہے، یہاں تک کہ فطرت کے قوانین کے خلاف بھی کام کر سکتی ہے، نے انسان میں اپنی روح پھونکی۔ اور یوں، انسان خدا کی طرح کام کرنے (خدا کے برابر نہیں، صرف خدا سے مشابہت رکھنے)، یا اپنی فطرت کے جسمانی قوانین کے خلاف عمل کرنے کے قابل ہے۔ لہذا، انسان کی فطرت اور تخلیق کے فلسفے سے جو اخذ کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے:

الف) نہ صرف تمام انسان برابر ہیں، بلکہ وہ بھائی ہیں۔ برابری اور اخوت کے درمیان تفاوت بالکل واضح ہے؛ برابری ایک قانونی اصطلاح ہے جبکہ اخوت تمام انسانوں کی ایک جیسی فطرت کا اعلان ہے جو، اپنے رنگوں کے باوجود، ایک ہی ماخذ سے نکلے ہیں۔

ب) تمام ماضی کے فلسفوں کے برعکس، مرد اور عورت ایک ہی فطرت کے ہیں، اور خدا نے انہیں بیک وقت پیدا کیا ہے۔ وہ ایک ہی نسل کے ہیں، وہ بھائی اور بہن ہیں۔

ج) فرشتوں اور پوری کائنات پر انسان کی برتری سائنسی ہے، اس حقیقت کی وجہ سے کہ انسان نے نام سیکھ لیے ہیں۔ اور فرشتے، نسل اور فطرت میں اپنی برتری کے باوجود، آدم کے سامنے جھک گئے۔

سب سے بڑھ کر، انسان مٹی اور الہیٰ نور کے درمیان واقع ہے، وہ اپنی مرضی کے مطابق کسی ایک کو چننے کے لیے آزاد ہے۔ ارادہ اور آزادی کا ہونا ذمہ داری پیدا کرتا ہے۔ اور اس طرح، اسلامی نقطہ نظر سے، انسان ہی وہ واحد مخلوق ہے جو نہ صرف اپنی قسمت کے لیے ذمہ دار ہے بلکہ دنیا میں الہیٰ مقصد کو پورا کرنے کا مشن بھی رکھتا ہے۔ اس طرح، وہ کائنات میں ایک امین ہے۔ وہ (انسان) ہی وہ واحد ہستی ہے جو ان ناموں کو جانتی ہے جن کے معنی، میرا ماننا ہے، مختلف سائنسی حقائق کے لیے ہیں۔ نام چیزوں کے لیے علامتیں ہیں؛ یعنی مختلف تصورات کے مخصوص پہلو۔ لہذا، "نام سیکھ لینا" کائنات میں موجود سائنسی حقائق کو سمجھنے اور ادراک کرنے کی صلاحیت اور قابلیت ہے۔ چنانچہ، پروردگار کی طرف سے اپنی ابتدائی تعلیم کے ذریعے، انسان کائنات میں موجود حقائق کے مجموعے کو سمجھ سکتا ہے، یہ سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ انسان کی قسمت خود اس کے ہاتھوں بننی چاہیے۔

اس مقام پر مجھے تاریخ کے ایک عظیم المیے کا ذکر کرنا چاہیے۔ انسان کو دو جہتی مخلوق کے طور پر نہیں پہچانا گیا۔ دیگر مذاہب کے برعکس جن میں خدا اور شیطان فطرت میں مسلسل جنگ کی حالت میں ہیں، اسلام میں فطرت میں صرف ایک ہی طاقت ہے—الہیٰ طاقت۔

تاہم، انسان کے میدانِ جنگ ہونے کے ساتھ، خدا اور شیطان ایک دوسرے کے خلاف جنگ میں ہیں۔ اس طرح، سابقہ مذاہب کے برعکس، اسلام میں دوئیت (Duality) ان دو دیوتاؤں کی پوجا پر مشتمل ہے جو انسان کی ساخت میں موجود ہیں، نہ کہ فطرت میں۔ فطرت کا صرف ایک دیوتا ہے اور وہ صرف ایک خدا کے تسلط میں ہے۔ اسی لیے اسلام میں شیطان خدا کے مقابل نہیں بلکہ انسان کے الہیٰ نصف کے مقابل کھڑا ہے۔ اور چونکہ انسان ایک دو جہتی مخلوق ہے جو مٹی اور خدا سے گندھی ہوئی ہے، اسے دونوں کی ضرورت ہے۔ اس کا نظریہ، مذہب، زندگی اور تہذیب سب کو ان دونوں جہتوں کو مطمئن کرنے کے قابل ہونا چاہیے۔ المیہ یہ ہے کہ تاریخ اس حقیقت کی گواہی نہیں دیتی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ماضی کے تمام معاشروں نے یا تو زہد (Asceticism) کو چنا یا دنیا داری کو۔ چینی تہذیب پہلے دنیا دار تھی۔ اس کے اشرافیہ کے طرز زندگی نے لذتوں، خوبصورتیوں اور قدرتی وسائل کے زیادہ سے زیادہ استعمال کو اولیت دی۔

ایسے ماحول میں لاؤ-تزو (Lao-Tzu) ایک زاہدانہ مذہب کے ساتھ ابھرا جس نے انسان کے روحانی پہلو کی طرف توجہ دلائی اور نتیجتاً معاشرہ رہبانیت، تصوف اور صوفی ازم کی طرف مائل ہو گیا۔ بعد میں، کنفیوشس نمودار ہوا اور چین واپس دنیا داری کی طرف مڑ گیا۔ ہندوستان، ویدک اثر کے تحت، تصوف اور زہد کی طرف مائل ہو گیا۔ موجودہ ہندوستانی جسمانی ریاضت، کیلوں پر لیٹنا اور طویل عرصے تک صرف ایک کھجور یا بادام پر گزارا کرنا، دوسرے نصف کی طرف رجحان ہے اور دنیاوی پہلو کو نظر انداز کرتا ہے۔

یورپ میں، روم جرم کرنے، خونریزی، دنیا پر غلبہ پانے اور ایشیا اور یورپ کی دولت جمع کرنے کی طرف گیا۔ بعد میں عیسیٰ (علیہ السلام) نمودار ہوئے اور انہوں نے روم کو آخرت کی طرف متوجہ کیا، اس حد تک کہ یہ قرون وسطیٰ تک لے گیا۔ دوسرے لفظوں میں، روم، خونریزی، طاقت اور عسکریت پسندی کی سرزمین، رہبانیت اور گوشہ نشینی کے علاقے میں بدل گئی، یہاں تک کہ نشاۃ ثانیہ پیدا ہوئی اور پنڈولم واپس دنیا داری کی طرف جھول گیا۔ اور آج پھر، یورپی تہذیب اتنی دنیا دار ہو گئی ہے (انسان کو حسی لذتوں میں مشغول کر کے) کہ، جیسا کہ پروفیسر چنڈل بیان کرتے ہیں:

"آج کی دنیا نے خود کو صرف زندگی کی سہولیات پیدا کرنے کے لیے وقف کر دیا ہے۔ یہ آج کے انسان کے فلسفے کی حماقت کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ ٹیکنالوجی کی بے سمت اور نظریے سے عاری تہذیب کا اظہار ہے۔ یعنی، انسانیت اتنے شدید انحراف کا شکار ہو چکی ہے کہ اسے ایک اور عیسیٰ کی ضرورت ہے۔"

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، انسان ایک دو جہتی مخلوق ہے جسے ایک دو جہتی مذہب کی ضرورت ہے جو مسلسل اس پر اور اس کے معاشرے کے ساتھ ساتھ اس کی روح پر مخالف سمت میں قوت ڈال سکے تاکہ وہ اپنا توازن برقرار رکھ سکے۔ یہی اسلام ہے۔

کسی مذہب کو سمجھنے کے لیے انسان کو اس کی کتاب، پیغمبر اور اس کی بہترین پیداوار سے واقف ہونا چاہیے۔ اسی کے مطابق، اسلام کا خدا دو جہتی ہے:

1. یہوواہ (Jehovah) کا ایک خاکہ، یہودی خدا جو دنیاوی، سخت، سیاسی، شدید سزا دینے والا اور آمرانہ ہے؛ اور

2. عیسیٰ کا خدا جو مہربان، معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔ اللہ کے لیے، جو اسلام کا خدا ہے، یہ تمام خصوصیات قرآن سے اخذ کی جا سکتی ہیں۔

جہاں تک قرآن کا تعلق ہے، یہ تورات (عہد نامہ قدیم) سے مشابہ کتاب ہے جس میں سماجی، سیاسی اور عسکری احکامات شامل ہیں، بشمول جنگ لڑنے اور قیدیوں کو پکڑنے کے ساتھ ساتھ آزاد کرنے کی ہدایات۔ یہ ایسی کتاب بھی ہے جو فطرت کی پاکیزگی، روح کی تقویٰ، اور فرد کے عالی شان اخلاق پر زور دیتی ہے۔

جہاں تک پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا تعلق ہے، وہ بھی دو خاکوں (جیسا کہ ہم مشہور شخصیات کی تاریخ میں دیکھتے ہیں) کے حامل انسان تھے جو ایک روح میں یکجا تھے۔ وہ ایک ایسے انسان تھے جو مسلسل جنگ میں تھے، سیاسی اور عسکری طور پر، دشمنوں اور معاشرے کے تخریبی عناصر کے خلاف۔ ان کا مقصد ایک جدید معاشرہ اور تہذیب تعمیر کرنا تھا، جبکہ انسانیت کو ایک الگ منزل کی طرف رہنمائی کرنا تھا۔ لیکن سب سے بڑھ کر وہ عابد اور باکردار تھے۔

آخرکار، پیغمبر کی تربیت کے ثمرات علی، ابوذر اور سلمان ہیں۔ یہ دنیا کے بہت کم دو جہتی انسانوں میں سے ہیں۔ یہ سیاست اور جنگ کے مرد تھے، جنہوں نے بہتر وجود کے لیے جدوجہد کی۔ انہوں نے زندگی کا ایک بڑا حصہ میدان جنگ، عسکری تربیت، سائنسی تحقیق اور بحث میں گزارا۔ وہ مشرق کے راہبوں اور عارفوں کے برابر باکردار بھی تھے۔ آج، خدا پر ان کے مراقبوں پر دستیاب معلومات کے ساتھ، ابوذر قرآن کو جاننے کے لیے بہترین رہنما ہیں۔ پیغمبر کے صحابہ پر ایک نظر یہ بتاتی ہے کہ وہ سب عادل، حساس جنگجو، اور تعمیری افراد تھے جو ایک بہتر معاشرے کی تعمیر اور انصاف کے قیام کے لیے فکرمند تھے۔

نتائج

اسلام میں انسان خدا کے زیر تسلط نہیں ہے، کیونکہ وہ زمین پر رب کا شریک (کارساز)، دوست، امین اور رشتہ دار ہے۔ خدا نے انسان کو سکھایا اور تمام فرشتوں نے اس کے سامنے سجدہ کیا۔ اس طرح، ایسی دو جہتی مخلوق کو ایک ایسے مذہب کی ضرورت ہے جو اسے زہد یا دنیا داری میں سے کسی ایک کی طرف جھکنے سے بچا سکے، اور مسلسل اسے توازن میں رکھ سکے۔ صرف ایک دو جہتی مذہب ہی انسان کی عظیم ذمہ داری کو حقیقت کا روپ دے سکتا ہے۔